کشور ناہید کی شاعری میں خواتین کی حالتِ زار کی عکاسی

Women's Plight in Kishwar Naheed's Poetry

کاشف الرحمان شاہ [i]

Abstract:

Kishwar Naheed is a renowned Pakistani radical feminist poetess, who is famous for portraying women living in the male dominated society in her poetry. She speaks about the issues of oppressed women through her poetry. As a woman, she is aware of the cruelty of society. She paints the portrait of women in such a manner as imparts courage in women and make them bold enough to look around them with their own eyes and to shatter the fetters of social, artificial and unwholesome double standard and conventions, which lay down different standards of men and women. She rejects those artificial standards which are employed in judging women. She desires to liberate women and construct a world of femineity. Naheed is one of those influential Pakistani writers, who fought for the emancipation of women. She gives strong voice and wings to speak against the sufferings, sorrows and miseries of the women of third world. Women's Plight has been a topic of constant debate in global literature. Kishwar Naheed's poetry has depicted such issues on a grand scale. Her feminist point of view sheds new light to this subject. Naheed, in her poetry has underlined issues related to domestic violence, lack of consent and forced marriages. This article will cover all these aspects.

Keywords: *Urdu Poetry, Kishwar Naheed, Women's Plight, Feminist, Feminism, Third World*

کشور ناہید ایک مشہور پاکستانی ریڈیکل فیمینسٹ شاعرہ ہیں ، جو اپنی شاعری میں مردانہ تسلط رکھنے والے معاشرے میں خواتین کی زندگیوں کی تصویر کشی کے لیے مشہور ہیں۔ وہ اپنی شاعری کے ذریعے مظلوم خواتین کے مسائل پر بات کرتی ہیں۔ عورت ہونے کے ناطے ، وہ معاشرے کے ظلم و ستم سے آگاہ ہے۔ وہ خواتین کی تصویر کو اس انداز سے پینٹ کرتی ہیں کہ خواتین میں ہمت پیدا کرتی ہیں اور انہیں اتنا دلیر بناتی ہیں کہ وہ اپنے اردگرد اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں اور سماجی ، مصنوعی اور غیر صحت بخش دوہرے معیارات اور روایات کی بیڑیوں کو توڑ دیں ، جو مردوں اور عورتوں میں مختلف معیارات کو قائم کرتے ہیں۔ وہ ان مصنوعی معیارات کو مسترد کرتی ہیں جو خواتین کو پرکھنے میں کام کرتے ہیں۔ وہ خواتین کو آزاد کرنے اور نسوانی دنیا کی تعمیر کرنا چاہتی ہیں۔ ناہید ان باا‌ثر پاکستانی مصنفین میں سے ایک ہیں ، جنہوں نے خواتین کی آزادی کے لیے جدوجہد کی۔ وہ تیسری دنیا کی خواتین کے دکھوں ، تکلیفوں اورمصیبتوں کے خلاف بولنے کے لیے مضبوط آواز اور سہارا بنتی ہیں۔ خواتین کی قابل رحم حالت زار کی گواہ کے طور پر ، ناہید خواتین کے جبر کے خلاف کھڑے ہونے اور مردوں کی دنیا میں انصاف ، آزادی اور مساوات کے لیے جدوجہد کرنے کے لیے شاعری کے ہتھیار کے ذریعے اپنی آواز بلند کرتی اور پھیلاتی ہیں۔ خواتین کی حالتِ زار عالمی ادب میں مستقل طور پر بحث کا موضوع بنتی رہی ہے۔ کشور ناہید کی شاعری نے ایسے مسائل کی بڑے پیمانے پر عکاسی کی ہے۔ اُن کا تانیثی نقطۂ نظر اس موضوع کو ازسرِ نو جانچتا ہے۔ ناہید نے اپنی شاعری میں گھریلو دست درازی ، عدم رضا مندی اور جبری شادیوں سے بڑے موضوعات کو خط کشید کیا ہے۔ یہ مقالہ ان سبھی پہلوؤں کا احاطہ کرے گا۔

کلیدی الفاظ: اردو شاعری ، کشور ناہید ، عورت ، حالتِ زار ، تیسری دنیا ، تانیثیت۔

ترقی پذیر معاشروں میں خواتین کی حالتِ زار لمحۂ فکریہ بنتی جا رہی ہے۔ تمام مذاہب مرد اور عورت کے مساوی تعلق کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ دینِ اسلام سے قبل خواتین ظلم واستبداد کا شکار رہی ہیں۔ اسلام کی آمد کے بعد خواتین کے حقوق کی راہیں ہموار ہوئیں تاہم ترقی پذیر ممالک میں آج بھی خواتین جائز

---

[i] لیکچرر ، شعبہ اُردو ، یونی ورسٹی آف سرگودھا۔

حقوق سے محروم ہیں۔ کشور ناہید کا شمار ایسے ادیبوں میں ہوتا ہے جنھوں نے خواتین کے مسائل پر کھل کر اظہارِ خیال کیا ہے۔ ناہید کا قلم دنیا میں بسنے والے محروم طبقوں بالخصوص خواتین کے لیے وقف رہا ہے۔

ترقی یافتہ ممالک کی ترقی کا راز اسی امر میں پوشیدہ ہے کہ اُن معاشروں میں صنفی شعور اُجاگر ہو چکا ہے۔ مرد اور عورت سماج میں بغیر کسی صنفی تفریق کے خدمات انجام دیتے ہیں۔ یوں خاندان کے افراد معیشت کی جنگ میں نہ گھر والوں کے لیے اور نہ ہی ملک کے لیے بوجھ بنتے ہیں۔ اسی طرح ترقی یافتہ ممالک میں آبادی کے اضافے کو روکنے کے اقدامات کیے جاتے ہیں اور ان ممالک کی آبادی برق رفتاری سے بڑھ نہیں رہی ہوتی جس کی وجہ سے ان ملکوں میں خوش حالی زیادہ اور بدحالی کم ہوتی ہے۔ ترقی پذیر ممالک کا المیہ یہی ہے کہ آبادی جس رفتار سے ان ملکوں کی بڑھتی ہے اسی رفتار سے غربت اور بے روزگاری میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ ایسے ممالک میں گھروں کی داخلی کائنات میں جھانکا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک گھر میں ماں باپ کے علاوہ بچوں کی تعداد آٹھ سے دس یا اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جب کہ گھر میں کمائی کا واحد ذریعہ اس گھر کا کفیل ہوتا ہے جس نے بیوی بچوں کی خوراک اور اچھی زندگی کی ضمانت دینی ہوتی ہے۔ ایسے گھرانوں کے زیادہ تر بچے بنیادی سہولیات سے محروم ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ بڑے ہو کر معاشرے میں مثبت کردار ادا کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ ان معاشروں میں گھریلو عورتیں اور ان کی بیٹیاں بھی زندگی کی تلخ راہوں سے گزرتی ہیں۔ اس صورتِ حال میں ان کی تعلیم بھی متاثر ہوتی ہے اور گھر والے جہاں چاہتے ہیں ان کی رائے جانے بغیر شادی کا فریضہ ادا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح کے دیگر مسائل جو عورت کی زندگی میں مشکلات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ رکھتے ہیں ان سب مسائل کا اظہار کشور ناہید کی شاعری کا جزو لازمی ہے۔ ناہید نے نہ صرف خواتین کی حالتِ زار کی شاعری میں بھرپور عکاسی کی ہے بلکہ ان مسائل کا ممکنہ حل بھی فراہم کیا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر معاشرہ کی پسماندہ خواتین کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا جا سکتا ہے۔ ناہید نہ صرف خواتین کی فلاح و بہبود کی خواہاں ہیں بلکہ مرد اور عورت کے مساوی تعلق کی بھی اہمیت پر زور دیتی ہیں۔ نعیم مرزا فیمینزم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ”ایسا نظریہ جو عورتوں کے خلاف ہر طرح کی تفریق، جبر اور استحصال کے خاتمے اور ان کی مکمل آزادی اور نجات پر یقین رکھتا ہو، ایسا نظریہ جو معاشرے میں عورتوں کے مردوں

کے برابر سیاسی، سماجی، معاشی، ثقافتی اور دیگر حقوق کی برابری پر یقین رکھتا ہو؛ ایسا نظریہ جو پدرسری کی 'مرد مرکزیت' کی نفی کرتا ہو اور عورتوں کی 'محکومیت' اور ان پر جبر کی تمام صورتوں کے خاتمے کے لیے پدرسری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہو تاکہ عورتوں کے حق میں معاشرے میں بڑے پیمانے پر مساویانہ سماجی تبدیلی لائی جاسکے۔ یہ علیحدہ علیحدہ نظریات اور ان نظریات کا مجموعہ بھی ہو سکتے ہیں۔ فیمینزم ان نظریات کے مقاصد کے حصول کے لیے ایک واضح موقف کے اظہار، شعوری کوشش، منظّم تحریک یا تحریکوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔"[۱]

کشور ناہید تحریکِ نسواں کے حوالے سے لکھتی ہیں:

"آج عورتوں کی ایک بڑی تعداد دنیا کے ہر ملک میں اپنا مقدمہ لڑنے اور اپنے حقوق کے لیے میدانِ عمل میں موجود ہے۔ آج دنیا میں کوئی چھوٹی بڑی تحریک عورتوں کی شرکت کے بغیر نہ چل سکتی ہے نہ کامیاب ہو سکتی ہے۔ عورتوں کی تحریک آج جہاں پہنچی ہے، یہ ان عورتوں کی وجہ سے ممکن ہوا ہے، جنہوں نے ماضی میں اپنے نظریات، تنظیموں، سیاست، شعر و ادب اور اصلاح پسند تحریکوں میں شمولیت کے ذریعے عورت کی آزادی، اس کے حقوق اور انصاف کے لیے دلیرانہ، انتھک اور غیر متزلزل جدوجہد کی۔"[۲]

پاکستان میں عورتوں کی جدوجہد بڑے ابتدائی مراحل میں ہے۔ یہاں تو فیمنزم زندگی کے بنیادی حقوق مثلاً زندہ رہنے کا حق، تعلیم کا حق، آمدورفت پر پابندی نہ ہونے، اپنی مرضی کا پیشہ اختیار کرنے، پسند کی شادی کرنے اور بحیثیت انسان معاشرے میں پہچانے جانے کا حق مانگ رہا ہے، عورت علم، صحت، ملازمت اور سماجی حقوق میں مردوں سے کہیں کم کم ہے اور اپنی زندگی کے فیصلوں پر اس کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ غیرت کے نام پر قتل (کاروکاری)، عورت کی خرید و فروخت، وٹہ سٹہ اور کم عمری کی شادی، بدلِ صلح، سام رکھنا اور ولور کی رسمیں بلا روک ٹوک جاری ہیں۔ ان سب رسموں کا ختم ہونا عورت کی عزت اور حیثیت بحال کرنے کی طرف پہلا قدم ہو گا۔[۳]

کشور ناہید نے روایتی طور پر غزل گوئی سے اپنے شعری سفر کا آغاز کیا۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ 'لبِ گویا' ۷۹ غزلوں اور ۳۸ دوہوں پر مشتمل ہے۔ زندگی کی انتیسویں برس میں شائع ہونے والے اس

مجموعے کا رنگ بہت پختہ ہے۔ اس میں روایتی غزل جس میں عورت سے باتیں کرنا یا عورت کی باتیں کرنا کہا جاتا ہے، سے مختلف ہے۔ بزرگ شعرا کی تقلید اور ان کے تجربات کا اثر نمایاں ہے۔ ان غزلوں میں ایک ٹھہراؤ ہے، اُبھرتی ہوئی ایک سوچ ہے، نیا پن ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ پرانی بوتل میں کسی حد تک نئی شراب موجود ہے۔ اس کتاب میں الھڑپن کے تجربات اور غزل کی مخصوص زبان نہیں ملتی۔ البتہ کہیں کہیں خیال غزل کی قید میں تڑپ کر رہ جاتا ہے۔ یہ مجموعہ اس لیے بھی اہم ہے کیوں کہ اس سے شاعرہ کے ابتدائی رجحان کے علاوہ اس کی پوری نسل کی آپ بیتی بھی مقید ہے۔ زمانۂ طالب علمی سے ہی کشور بڑے نامور شعرا سے متعارف ہو چکی تھیں۔ ان کی محافل اور کچھ اپنی حساس طبع کے باعث وہ جذبات جو عموماً نو عمری یا جوانی سے وابستہ ہوتے ہیں ان کا اظہار کہیں پسِ پشت چلا گیا ہے اور اس کی جگہ مسلسل احساسِ تنہائی، شہرِ بیگانگی اور معاشرے کی کم مائیگی نے لے لی ہے۔

اُن کی نظموں کا پہلا مجموعہ 'بے نام مسافت' (۱۹۷۱ء) میں اشاعت پذیر ہوا۔ کشور ناہید نظم کی شاعرہ ہے۔ ان کی شاعری کا آغاز روایتی طور پر غزل گوئی سے ہوا مگر بہت جلد دوسرے مجموعۂ کلام میں ہی یہ سفر نظم گوئی کی شاہراہ پر گامزن ہو گیا۔ مختار صدیقی کے مائل کرنے پر کشور نے نظم کے لیے قلم اٹھایا تو اس میدان میں نئے سے نئے قلعے فتح کرتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ غزل گوئی کہیں پیچھے رہ گئی اور کبھی کبھار جستہ جستہ اپنی جھلک دکھاتی رہی ہے مگر اس کے تمام رنگ اور چاشنی سب نظم میں سما گئی ہے۔ ان نظموں کی خوبی یہ ہے کہ ان میں جگ بیتی، ہڈ بیتی دونوں کے رنگ ہیں۔ موضوعاتی اعتبار سے انھیں ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

i. محبت/ذاتی تجربہ/داخلی واردات

ii. مزاحمتی شاعری

iii. نسائیت

'بے نام مسافت' خود کلامی کی شاعری ہے۔ خود سے الجھتی سلجھتی شاعرہ 'گلیاں، دھوپ، دروازے' (۱۹۷۸ء) تک پہنچتے ہی چیخ اٹھتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جذبات کا جو لاوا 'بے نام مسافت' میں پک رہا تھا وہ پھٹ کر بہہ نکلا ہے۔ وہ خانہ سازی اور خانہ جنگی میں مبتلا نظر آتی ہے۔ اس مجموعے کی شاعری میں ایک

غصہ ہے، ثقافتی گھٹن ہے۔ ان سب کے درمیان شعورِ ذات کی روشنی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ خود کو تلاش کرتی کشور ناہید خود تک پہنچ چکی ہے۔ یہ مجموعہ اگرچہ شاعرہ کے نسائی تشخص کا پہلا معتبر حوالہ ہے مگر اس میں چند نظمیں ایسی ہیں جن کی مدد سے ہم شاعرہ کے داخلی سفر کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ 'کشور ناہید'، 'مکافات'، 'تیر الٹیا شہر بھنبھور'، 'سنو جین آسٹن'، 'تعبیر' اور 'سمجھوتہ' اس کی مثالیں ہیں۔ اڑتیس سالہ کشور نے بہت ساری باتوں کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا ہے۔ وہ ڈھلتی عمر، بدلتے رشتوں اور اپنی تنہائی کو قبول کر چکی ہے۔ اس نے اس بات کو قبول کر لیا ہے کہ وہ ایسی منہ بند سیپی ہی رہے گی جسے کوئی نہ کھول سکا۔ روایت اور جدت کے درمیان اس نے اپنا راستہ پالیا ہے۔ خوف زدہ روایتی عورت ان تمام جذبوں کی قلعی کھونے کو تیار ہے۔ جن کی وقت سے ڈر کر مرد نے ان کے گرد شرم و حیا اور وحشت کا ہالہ بن دیا تھا اور ان جذبوں کے اظہار سے وہ لوگوں کو خوف زدہ ہوتا دیکھ کر محظوظ ہو رہی ہے۔ وہ دیوانگی کی حدیں پار کرنے کے باوجود بے ہوش نہیں ہو رہی۔ اختیار اور جبر کے ترازو میں خود کو اور رشتوں کو برابر تولتے ہوئے وہ تھکتی ضرور ہے مگر اب سب رشتے اس کے لیے مر چکے ہیں۔ ذاتی زندگی میں اپنی ماں کے ساتھ کبھی بھی خوش گوار تعلقات نہ رہے۔ اسی طرح اس کی اولاد کے بھی اس کے ساتھ تعلقات ابتر ہی رہے۔ مصنفہ اپنی ماں کی قدامت پسندی سے نالاں تھی تو اس کی اولاد ماں کی جدت پسندی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھی۔ مگر اب اس نے اپنے آپ سے لڑنا چھوڑ دیا ہے۔ وہ اپنے اندر کے اُبال کو پینے لگ گئی ہے۔ وہ خود کو کمزور نہیں ہونے دیتی۔ مصنفہ اب اس منزل کی جانب رواں ہے جہاں ذرا سا بھی ڈگمگائی تو سارا سفر رائیگاں ہو جائے۔ وہ تمام افراد جو اس کی ناکامی کے خواہاں ہیں جو اسے ٹوٹتے دیکھنا چاہتے ہیں جو اسے دبا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں ان سب کے سامنے یہ چٹان بن گئی ہے۔ یہ ردِ عمل اس کے نسائی فلسفہ کو تراشنے میں معاون ثابت ہوا۔

'گلیاں، دھوپ، دروازے' میں شامل نظمیں خواتین کی ابتر حالت کو موضوع بنا کر تحریر کی گئی ہیں۔ ان نظموں میں 'کشور ناہید!'، 'گھاس تو مجھ جیسی ہے'، 'نیلام گھر'، 'جاروب کش'، 'میری مانو!'، '= + 'X-، Pain 'Face the'، 'نظم'، 'دُھواں چھوڑتی بسیں'، 'دفعہ ۱۴۴'، 'تقریر نمبر ۲۷'، 'التماس'، 'کلیئرنس سیل'، 'رات آتی ہے' اور 'میں کون ہوں' شامل ہیں۔ کشور ناہید کی نظم 'نیلام گھر' اور 'مَیں کون ہُوں' سے اشعار ملاحظہ کیجیے:

تپے ہوئے تنّور سے جس طرح پھُولی ہُوئی روٹیاں باہر نکلتی ہیں
میرے مُنہ پر طمانچہ مار کر
تمہارے ہاتھوں کی اُنگلیوں کے نشان
پھُولی ہُوئی روٹی کی طرح
میرے مُنہ پر صد رنگ غبارے چھوڑ جاتے ہیں
تم حق والے لوگ ہو
تم نے مہر کے عوض حق کی بولی جیتی ہے۔[۴]
مَیں تو وہی ہوں گود سے جس کی بھُول چُنے
انگارے اور کانٹے ڈالے
یہ نہیں جانا
زنجیروں سے پھُول کی خوشبو چھپ نہیں سکتی
مَیں تو وہی ہوں میری حیا کے نام پہ تم نے
مُجھ کو خریدا مُجھ کو بیچا
یہ نہیں جانا
کچّے گھڑے پر تیر کے سوہنی مر نہیں سکتی
مَیں تو وہی ہوں جس کو تم نے ڈولی بٹھا کے
اپنے سر سے بوجھ اُتارا
یہ نہیں جانا
ذہن غلام اگر ہے قوم اُبھر نہیں سکتی[۵]

’گلیاں، دھوپ، دروازے‘ سے اگلا پڑاؤ ’ملامتوں کے درمیان‘ (۱۹۸۱ء) کا ہے۔ یہاں شاعرہ نے جسمانی تقاضوں اور اپنی صفات کو تعلقات کے تضادات کی مصنوعی حد بندیوں سے نکال لیا ہے۔ وہ جو اپنے رشتوں کے ہاتھوں ملغوب تھی اسے علم بنالیا ہے۔ وہ کشمکش جو بے نام مسافت میں تھی یکسر ختم ہو گئی ہے۔ گلیاں، دھوپ، دروازے کا لاوا ٹھنڈا پڑ گیا ہے۔ ایک چیز کی تلاش اب بھی جاری ہے وہ ہے خالص محبت اور رفاقت۔ اس مجموعے میں نظمیں ’خود کلامی‘، ’گلاس لینڈ سکیپ‘، ’سمندر تو ایک آنسو ہے‘، ’بجھتے بدن کی

نیلاہٹ'، 'زہر کا ڈنک'، 'آگ کا رقص'، 'تثلیث' وغیرہ شاعرہ کے داخلی ارتقا کو پیش کرتی ہیں۔ اب وہ زندگی کے اس مرحلے میں داخل ہو گئی ہے جہاں گرنے، ٹوٹنے کے خدشات معدوم ہو گئے ہیں۔ ایک صبر اور قرار ہے جس کے نیچے ہلکی سی بے چینی اور بے قراری ہے۔ اپنی زندگی اور اپنے انتخاب کو ان رشتوں کو جن کا چناؤ اس نے خود کیا ان پر پچھتانے کی بجائے وہ یک گونہ سکون محسوس کر رہی ہے۔ کم از کم اس کا شمار ان لوگوں میں نہیں ہوتا جنھیں زندگی گزار دیتی ہے۔ اچھا یا بُرا سہی وہ اپنا انتخاب خود کرنے کی آزادی کو محسوس کر رہی ہے۔ وہ زندگی جو یوسف کامران کے ہم راہ شروع کی اور جس طرح کی مخلوط محفلوں میں اسے چاہتے نہ چاہتے ہوئے جانا پڑا اب اسے کچھ بُرا نہیں لگتا۔ سلگتا بے چین دل ریت سے بھر لیا ہے۔ اب اسے قرار ہے کہ اسے نیچا دکھانے والے اپنی زندگی سے نکالنے والوں کو خود ہزیمیت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیوں کہ یہ بھی اس کی جہت کی ایک شکل ہے۔

ملامتوں کے درمیاں میں شامل نظمیں خواتین کی حقیقی آزادی اور مساوی مقام و مرتبے کے حصول کے لیے مزاحمتی رنگ میں تحریر کی گئی ہیں، جن میں مصنفہ کے جذبات مذکورہ موضوع کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔ ان نظموں میں 'اسیں بُریاں وے لوکو!'، 'بجھتے بدن کی نیلاہٹ'، 'آگ کا رقص'، 'تمھاری خاموشی۔ میرا جرم'، 'سورج سوا نیزے پر'، 'تیسرے درجے والوں کی پہلی ضرورت'، 'نائٹ میئر'، 'گود میں لحد'، 'مَیں اور مَیں'، 'ایک کہانی' اور 'پرسونا' شامل ہیں۔ نظم 'اسیں بُریاں وے لوکو!' سے اشعار ملاحظہ کیجیے:

کلموہی اور نصیبوں جلی
سُنتے سُنتے گھر میں پلی
ڈر ڈر دیکھا بدن کو
گندا سمجھا لگن کو
بن بر دیکھے بیاہی گئی
مَیں سوچوں مَیں چاہی گئی
چمڑی، چیخ بنے چاہت
لوگ کہیں ہیں دسراہٹ

گھر کا یا دیواروں سے

بات کروں انگاروں سے

پتّھر پیٹ جنے نکلے

ساتھی بھی سائے نکلے

لیے سفیدی بالوں کی

صحرا شرط، غزالوں کی[۲۱]

مصنفہ ۱۹۸۰ء کے قریب قریب نہ صرف سماج میں نمایاں مقام حاصل کر چکی تھیں بل کہ عالمی سطح پر بھی کشور ناہید کو لوگ جاننے لگے تھے۔ وہ مزاحمتی علامت کے طور پر ابھری اور کمزور، مظلوم، مغلوب کی آواز بن گئی۔ زمانے کے پیر ہن نے کشور کی سخت جانی، جاں فشانی، وفا اور غیر متزلزل حوصلہ کو بالآخر سندِ قبولیت عطا کر دی اور شان سے اسے اپنے وجود پر سجا لیا۔ ایسے میں وہ سب عوامل جو اسے دبانے میں لگے ہوئے تھے جن کے سامنے بولنے کا عزم گزشتہ مجموعہ میں کر چکی ہیں اب اس نے ان سے لڑنا ترک کر دیا ہے اور گیند ان کے کورٹ میں ڈال دی ہے۔ اب جو بھی اسے خود سے الگ کرے گا برا کہے گا سچائی کے آئینہ کے روبرو خود کو شکست خوردہ پائے گا۔

'سیاہ حاشیے میں گلابی رنگ' (۱۹۸۶ء) میں شامل نثری نظمیں تانیثی شعور سے مزیّن ہیں۔ مصنفہ نے 'سیاہ حاشیے میں گلابی رنگ' میں نفسیاتی گرہ دار نظمیں لکھی جو شاعرہ کی نسوانیت، ابدی تنہائی اور رشتوں کے طلب و رسد کے نظام کے گرد گھومتی ہیں۔ اس مجموعے کی مجموعی فضا پر موت کا سکوت چھایا ہوا ہے۔ شاعرہ کا اندرونی خول چیخ گیا ہے۔ گزشتہ مجموعے میں اس نے اپنے حلق میں جو چٹانیں گاڑ رکھی تھیں اب وہ کرب و اذیت کے دھماکے سے اُڑ گئی ہیں۔ یہ مجموعہ داخلی نوعیت کا ہے۔ شاعرہ کے ذاتی معاملات، ازدواجی تعلقات اور نسائی اُلجھنیں سبھی اس میں مقید ہیں۔ مزاحمتی شاعری بہت کم ہے گویا وہ اپنی ذات سے مزاحمت کرتی ٹوٹتی، تنہائی کی سرد مہری سے سکڑتی اور ان کرچیوں سے لہولہان اپنے وجود کی دوبارہ تعمیر کرتی نظر آتی ہے۔ ان نظموں میں وحشت ہے جو کچھ اس کے اندر ہے وہ سب اُگل دینا چاہتی ہے۔ اپنی تمام تر خوش لباسی، خوش گفتاری اور بااعتمادی کے باوجود خود آگہی کی سولی پر لٹکتی اپنے وجود کی نفی و ثبات کی جنگ لڑتی نظر آتی ہے۔ اضطراب کی ایک موج ہے جس میں ڈوبتی ابھرتی، نوحہ زن، مٹّی بنتی کشور خالی کمروں کی صفائی

کرتی، آنکھیں رگڑتی زندگی کی باقی ماندہ منزلوں کی جانب بڑھ رہی ہے۔ ان نظموں میں 'پیدائش سے پہلے کی دُعا'، 'پرانا کھاتا'، 'سانپ کینچلی'، 'اے میرے الزامِ گرفتہ'، 'فوٹو فنش'، 'سنسر شپ' اور 'ہم گنہگار عورتیں' قابلِ توجہ ہیں۔ نظم 'ہم گنہگار عورتیں' کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

یہ ہم گنہگار عورتیں ہیں
جو اہل جبہ کی تمکنت سے نہ رعب کھائیں
نہ جان بیچیں
نہ سر جھکائیں۔ نہ ہاتھ جوڑیں! [۷]

کشور ناہید کا شعری مجموعہ 'خیالی شخص سے مقابلہ' (۱۹۹۲ء) میں شائع ہوا۔ اس مجموعے کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں ہم زیستی کا تجربہ ہے۔ گزشتہ مجموعات میں خود سے لڑتی رستہ بناتی بکھرے ٹوٹے رشتوں کو سمیٹتی کشور اب اپنے مدِ مقابل آن کھڑی ہوئی ہے۔ اپنی ذات کا از سرِ نو جائزہ لیتی خود کی بازیافت کرتی نظر آتی ہے۔ انسانی ذات مختلف پہلوؤں، منصبوں اور کرداروں میں منقسم ہوتی ہے۔ اب سے پہلے دوسروں میں خوشی تلاش کرنے والی نے اب اپنے لیے ایک خیالی شخص بنالیا ہے۔ جو اس کا سایہ ہے۔ اب سے پہلے وہ معاشرے کے عطا کردہ کردار نبھاتی چلی آئی تھی۔ اب اس نے رشتوں کے معیار پر پورا اترنے اور دوسروں کے بنائے معیار کو پرکھنا چھوڑ دیا ہے۔ اب وہ فرصت سے اپنی ذات سے ملاقات کرتی ہے۔ اس مجموعہ میں اس کے سب کردار اس کی ذات اور خیالی شخص میں ڈھل کر یک جان ہو گئے ہیں۔ جس سے اس کا خالی پن ختم ہو رہا ہے۔ اس نے خود کو سمیٹ کر اکائی بنالی ہے۔ خیالی شخص سے مقابلہ میں مصنفہ نے اپنی نظموں میں نسائی مسائل اور اُلجھنوں کے متعلق سماج کے منفی کردار کو بھی بے نقاب کیا۔ ان نظموں میں 'وینا حیات اور آسیہ ایوب کی فردِ جرم'، 'جنگل میں ژالہ باری کا منظر'، 'خیالی شخص سے مقابلہ'، 'رشتہ کائی بن گیا ہے'، 'بارہویں ترمیم میں ترمیم'، 'نظریۂ ضرورت کے دوران پیدا ہونے والے بچوں کا المیہ'، 'سپیڈی ٹرائل'، 'بازگشت'، 'اپنی جیسی عورت وزیر اعظم سے مکالمہ'، 'کھیل سرائے'، 'ابھی موسم نہیں بدلا'، 'چارج شیٹ' اور 'بلا معاوضہ محنتوں کے معاوضے' توجہ طلب ہیں۔ نظم 'قید میں رقص' سے اشعار ملاحظہ کیجیے:

میرا اندر تمہارا زہر
ہر تین مہینے بعد نکال پھینکتا ہے

تم باپ نہیں بن سکے
میرا بھی جی نہیں کرتا کہ تم میرے بچّے کے باپ بنو،
میرا بدن میری خواہش کا احترام کرتا ہے
مَیں اپنے نیلو نیل بدن سے پیار کرتی ہُوں
مگر مجھے مکھّی جتنی آزادی بھی تم کہاں دے سکو گے
تم نے عورت کو مکھّی بنا کر بوتل میں بند کرنا سیکھا ہے۔[۸]

'میں پہلے جنم میں رات تھی' (۱۹۹۹ء) میں شائع ہونے والا مجموعہ نارسائی اور مزاحمتی شاعری پر مشتمل ہے۔ مگر اس میں چند نظمیں ایسی ہیں جن سے کشور ناہید کی فکری کائنات اور داخلی واردات کا اندازہ ہوتا ہے۔ 'تعلق کی سیماب زمانی'، 'تجھے وداع کیا'، 'تمھیں اب یہ تماشہ بہت حیران کرتا ہے' وغیرہ داخلی احساسات کی ترجمان نظمیں ہیں۔ وہ گزشتہ کو وداع کرنا چاہتی ہے مگر وہ آج کے ساتھ منسوب ہے اور یہ تماشا اسے حیران کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ وہ جانتی ہے کہ کس طرح اپنی مرضی کے مطابق بہادری سے تن تنہا وہ زندگی گزارتی چلی آئی ہے۔ اپنے ہی فیصلوں پر اب وہ خود حیران ہو رہی ہے۔ میں پہلے جنم میں رات تھی میں مصنفہ نے نثری نظموں میں خواتین کی سسکتی ہوئی کیفیات کو رقم کرنے کے ساتھ آزاد نظم کی ہیئت میں عورتوں کو درپیش مسائل کا احاطہ کیا۔ ان نظموں میں 'اے میری قوم! میری بِنتی سُن!'، 'غیر متوقع ترازو'، 'حاکم زادی۔ تو مجھ جیسی ہے'، 'نوحہ گنگ شہزادی کا'، 'پریس فوٹو گرافرز اور ڈیانہ'، 'خواب میں سفر'، 'بیچ آنگن کی مینا بولے!' اور 'طالبان سے قبلہ رو گفتگو' تانیثی شعور سے بھرپور نظمیں قرار دی جا سکتی ہیں۔ اس مجموعہ میں شامل نظم 'اے میری قوم! میری بنتی سن!' سے اشعار ملاحظہ کیجیے:

انہیں عورت سے نفرت ہے
گویا انہیں اپنی ماں اور اپنی بیٹی سے نفرت ہے۔
وہ عورت کی ہر شکل میں شہوت دیکھتے ہیں
اور یوں اپنے خوابوں کو آراستہ کرتے ہیں۔
دنیا پہ کوئی مصیبت آ جائے
وہ نہیں بولیں گے
سارے ملک کے سارے افسر

ISSN:2708-5724, E-ISSN:2708-5732

راشی، شرابی اور بد کردار ہو جائیں
وہ نہیں بولیں گے۔
ہر ہر قدم پہ گلے کاٹے جائیں
لوگ خریدے اور بیچے جائیں
وہ نہیں بولیں گے۔
ہاں کوئی عورت، ہاتھ میں علم لے کے نکلے
فوراً بولیں گے۔
فوراً خارج کر دیں گے دائرہ اسلام سے۔
زندگی کے ہر انعام سے۔
اے میری قوم!
تو اسلام کے ان سودے بازوں سے پناہ مانگ
ورنہ شیخوں اور وڈیروں کے زنان خانے میں
ہمارے مستقبل پرورش پائیں گے۔
یہ لوگ ان کے خلاف فتویٰ نہیں دیں گے۔
اور ہمارے مستقبل کے بچے،
جب اپنے باپ کا نام نہیں بتا سکیں گے
تو ابابیلیں بھی ان کی مدد کو نہیں آئیں گی۔[۹]

'سوختہ سامانیٔ دل' (۲۰۰۲ء) کشور ناہید کا اکیسویں صدی میں شائع ہونے والا پہلا شعری مجموعہ ہے۔ نائن الیون کے بعد افغانستان میں جاری جنگ کے اثرات ہمسایہ ممالک بالخصوص پاکستان میں دہشت گردی کے بڑھتے ہوئے واقعات کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ مصنفہ نے نہتے اور مظلوم بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ ان علاقوں کی خواتین کی حالت زار کو بھی بیان کیا اور امریکہ کی کھل کر نظموں میں مخالفت کی۔ امریکہ کی پالیسیوں کے خلاف واضح مزاحمت مصنفہ کی نظموں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ان نظموں میں 'اپنے معصوم لکھنے والوں کے نام'، 'کب لکھا اور کیوں لکھا تھا؟'، 'میں اُسے منع نہیں کر سکتی'، 'ایک صدی کا قصہ ہے'، 'نصف صدی کا قصہ ہے'، 'اکیسویں صدی کا زمزمہ'، 'خواتین منتخب کونسلروں کے نام'، 'دعا'، 'اپنی بیٹی کے

نام'، 'چیونٹیاں ہاتھی کھا جاتی ہیں'، 'نظم جو میری جلد سے چپکی ہوئی ہے' اور 'صفائی کرتے ہوئے' شامل ہیں جو مصنفہ کے تانیثی شعور پر دلالت کرتی ہیں۔ نظم 'ایک صدی کا قصہ ہے' سے اشعار ملاحظہ کیجیے:

مجھے کیوں نہیں بھولتا میرا بچپن
جب مجھے صحن سے باہر جانے
نظر اٹھا کے بات کرنے
اور کسی کا جواب دینے کی اجازت نہیں تھی
مجھے اور میری سہیلیوں کو کھیلنے اور زور سے ہنسنے
کی اجازت نہیں تھی...
مجھے کیوں نہیں بھولتا
غیرت کے نام پر بھائیوں کا غصہ
بھائیوں کا حکم،
مجھے کیوں نہیں بھولتا
سڑکوں، بازاروں اور چوراہوں پر
گھورتی آنکھیں، دیوانی آوازیں اور ہذیانی ہنسی۔
مجھے غصہ آتا ہے
جب یہ چیزیں مجھے یاد آتی ہیں
مجھے غصہ آتا ہے
کہ اب بھی میری بچیوں کے ساتھ یونہی ہوتا ہے۔[۱۰]

وحشت اور بارود میں لپٹی شاعری (۲۰۰۹ء) میں وحشت بارود بن کر شاعرہ کے اندر پھیل گئی ہے۔ ان نظموں میں وہ اپنے اور اپنے بیٹوں کے تعلقات پر بات کرتی نظر آتی ہے۔ مامتا ایک زہر کا پیالہ ہے جسے ہر صورت اسے خود پینا ہے کہ اس کی کوکھ جلے اس کے وجود سے بے زار ہیں۔ انھیں اب اس کی چاہت اور وجود کی حاجت نہیں اب وہ والدین کی طویل عمری کی دعا نہیں کرتے۔ انھیں اپنی پرورش کے طریقے پر اعتراض ہے۔ تمام عمر بچوں کو بہتر سے بہتر معیار دینے کے لیے کشور ناہید خود کو گھلاتی رہی۔ بچوں کے تحفظات ماں کی آزاد خیالی کو طنز کا نشانہ بناتے رہے اور باپ سے بچپن میں متاثر ہونے والے بیٹے اس کی

وفات کے بعد بھی اس کے ذکر پر اشک بار ہو جاتے ہیں۔ مصنفہ کو اب صرف موت کی خواہش ہے کیوں کہ اب وہ اس سفر سے تنگ آ چکی ہے۔ وہ خدا سے ایک راضی نامہ لکھوانا چاہتی ہے جس سے وہ عورت بن کر دوبارہ جینا اسے سکھانا چاہتی ہے۔ وحشت اور بارود میں لپٹی شاعری پاکستان کے مختلف شہروں میں ہونے والی دہشت گردی کے تناظر میں تحریر کی گئی نظموں پر مشتمل ہے تاہم اس مجموعہ میں متعدد نظمیں خواتین کی جدوجہد اور مسائل کو موضوع بنا کر لکھی گئی ہیں۔ ان نظموں میں 'فلوجہ کے دروازے پہ کھڑی نظم'، 'رخصتی بے نظیر کی ۲۷ دسمبر ۰۷، راولپنڈی'، 'بے نظیر... تیری وصیت'، 'کاروکاری کا منظر نامہ'، 'میری پوتی کو انسان رہنے دو'، 'ممتا... زہر پیالہ'، 'برقعے میں پھانسی دینے والوں کے نام'، 'میرے اندر، باہر۔ہو!'، 'رب سے شرط نامہ' اور 'ایف۔آئی۔آر' قابلِ توجہ ہیں۔ نظم 'برقعے میں پھانسی دینے والوں کے نام!' سے اشعار ملاحظہ کیجیے:

مجھے چادر پیچ لپیٹ کے رکھنے والوں نے
مرے ہاتھوں کو پیچھے باندھا
مرے پاؤں میں بیڑیاں پہنائیں
مری آنکھوں پہ پٹی باندھی
مجھے غیرت نام پہنوا کر
مرے بال درانتی سے کاٹے
مری ناک کو چھریوں سے کاٹا
مرے ہونٹ جلائے سگریٹ سے
مری بوٹی بوٹی تڑپائی...
مجھے چادر پیچ لپیٹ کے رکھنے والوں نے
کہیں اپنی ریشِ خمیدہ سے کبھی پوچھا ہے
یہ عورت، جس کی عزت کو، بے نام کیا، بدنام کیا
وہ عورت ماں کہلائے ہے
دنیا کی زباں کہلائے ہے
اس عورت کو

دشنام کی ذلت تم دو ہو
پھانسی سی اذیت تم دو ہو
مجھے چادر پیچ لپیٹ کے رکھنے والے لوگو!
نادم تو نہیں ہو تم اب بھی
شرمندہ نہیں ہو تم اب بھی! [۱۱]

آباد خرابہ (۲۰۱۶ء) میں مصنفہ نے خواتین کی حبس زدہ زندگی، جنسی تشدد، غربت اور افلاس کی چکی پیستی خواتین اور انسانی حقوق کی بازیافت کے تحت نظمیں تحریر کیں۔ ان نظموں میں 'سوات کا نوحہ'، 'شریعت کونسل۔ عورت تم سے مخاطب ہے'، 'آمنہ بی بی'، 'میرے گھونگھٹ میری بھوک'، 'منحنی عورت'، 'یادش بخیر' اور 'مجھے بن پانی مچھلی نہ بنا' شامل ہیں۔ کشور ناہید نہ صرف تنہائی کا شکار دکھائی دیتی ہیں بل کہ وہ گردو نواح کے حالات پر بھی گہری نظر رکھتی ہیں۔ ان کی نظمیں 'سوات کا نوحہ'، 'سانحہ کراچی۔ ۱۳ مئی'، 'ہزارہ بستیوں والوں کا حزینہ'، 'لیاری کا حزینہ'، 'شامی نقل مکانیوں کا حزینہ'، 'نوحہ بلوچستان کا'، 'نوحہ پشاور کے بچوں کا'، 'میرا وطن قید میں ہے' اور 'خود کو طالب علم کہتے ہو' ایسی ہیں جو انسان دوستی کا درس دیتی ہیں۔ ان علاقوں میں ہونے والے ظلم و ستم کو موضوع بنا کر ان علاقوں میں بسنے والے انسانوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ کشور ناہید نے نہ صرف پاکستان میں ہونے والے مظالم کو موضوع بنایا بل کہ جہاں کہیں بھی انسانیت سوز واقعات رونما ہوئے کشور کے قلم نے اس موضوع پر نظمیں تحریر کی۔ جیسے اس کتاب میں ارجنٹائن کے غائب ہو جانے والے لوگوں پر چار نظمیں تحریر کی۔

اس مجموعے میں ایک نظم 'آمنہ بی بی' کے عنوان سے تحریر کی جسے سماج میں مردوں نے اپنی جنسی ہوس کا نشانہ بنایا اور اس واقعے کے بعد آمنہ نے خود کو جلا کر اپنی زندگی ختم کر لی۔ اس نظم کے حاشیے میں کشور نے آمنہ کا تعلق مظفر گڑھ سے درج کیا۔ جنوبی پنجاب، اندرون سندھ، بلوچستان اور خیبر پختون خوا میں ایسے دل دہلا دینے والے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ کشور ناہید ان واقعات پر طبع آزمائی کرتی رہتی ہیں لیکن مظالم کا یہ سلسلہ بند ہونے کا نام نہیں لے رہا جس کی بنیادی وجہ جاگیردارانہ نظام کی نحوستیں ہیں۔ دوسرا عدل و انصاف کی عدم دستیابی نے مجرموں کو کھلا چھوڑ رکھا ہے کہ وہ جس طرح چاہیں ظلم و ستم روا

رکھیں انھیں کوئی گرفتار نہیں کرے گا۔ انھیں سزا دینا تو دور کی بات ہے انھیں حکومت کی جانب سے پوچھا تک نہیں جائے گا۔ اس نظم میں کشور نے آمنہ سے مکالماتی انداز میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ تمہارے اس فعل سے مخالفین خوشیاں منا رہے ہوں گے۔ تم نے جو قربانی دی ہے اسے کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح غربت اور مفلسی کے موضوع پر مبنی نظم میرے گھونگھٹ میری بھوک تھر پار میں بسنے والوں کے مسائلِ زیست کا احاطہ کرتی ہے۔

'اصغر ندیم سیّد کا دائرۂ زیست'، 'منحنی عورت (عاصمہ جہانگیر)' اور 'یادش بخیر (نجمہ صادق)' ایسی نظمیں ہیں جو ان تخلیق کاروں کی داخلی زندگی سے متعلق ہیں اور ان شخصیات سے کشور ناہید کی دوستی اور محبت کی واضح جھلک موجود ہے۔ اصغر ندیم سیّد کی دو بیویوں کا احوال اور ان پر قاتلانہ حملے کے بعد ان کی شریکِ حیات شیبا کا ذکر خوب صورت انداز میں درج کیا ہے۔ عاصمہ جہانگیر انسانی حقوق کی بحالی کے لیے عمر بھر سرگرمِ عمل رہی۔ ان کے کردار کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ نظم 'میرے گھونگھٹ میری بھوک' اور 'منحنی عورت' سے اشعار ملاحظہ کیجیے:

روٹی کا ایک لقمہ
کتنا قیمتی ہوتا ہے
نہ ملے تو
ماں کا دودھ بھی سوکھ جاتا ہے
بچے کی آنکھیں، بھوک کے مارے
باہر نکال دیتا ہے
جانوروں کی پسلیوں کو بھی
ننگا کرکے
مردار کر دیتا ہے۔[۱۲]
دنیا سوچتی تھی اور حیران ہوتی تھی
کیا کبھی سورج مغرب سے نکلے گا
کیا کبھی درانتی سے گھاس کاٹتی عورت
آسمان میں ستارہ بن کر چمکے گی

کیا یہ بھی ہو گا کہ انگوٹھا لگا کے
اپنا حق دے دینے والی عورت
دنیا کے سامنے اپنا حق منوائے گی۔[۱۳]

شیریں سُخنی سے پَرے (۲۰۱۸ء) کی نظمیں خواتین پر ہونے والے مظالم اور ان کے اسباب کا احاطہ کرتی ہیں۔ اس مجموعے میں زیادہ تر نظمیں خارجی نوعیت کی ہیں مگر داخلی سطح پر بیٹوں اور شوہر کی یاد ایک نئے سرے سے سُلگ اٹھی ہے۔ اپنی تنہائی سے گھبرا کر جب وہ اپنوں کو پکارتی ہے تو ان کی یادیں خالی کمروں میں تحلیل ہو جاتی ہیں۔ کشور ناہید کے تمام رشتے بے عکس ہو گئے ہیں۔ وطن سے وابستہ اُمنگیں دم توڑ چکی ہیں۔ اب بس زندگی کو شاعرہ گزار رہی ہے۔ وہ ملولہ جو جوانی کا تھا جس کے سہارے اس نے اپنی تعمیرِ ذات کی تھی سب دھڑام سے زمین بوس ہو گیا ہے۔ اب ان کی حالت ایسے مسافر کی سی ہے جسے رستے میں خبر ہو کہ یہ تو رستہ ہی کوئی اور تھا۔ کشور کی ڈھلتی عمر اور اس سے وابستہ تجربات اسے بار بار جوانی کی یاد دلاتے ہیں۔ وہ جوانی واپس نہیں چاہتی جس طرح اس کی جوانی ان خوابوں کے برعکس کٹی جو اس نے بُننے تھے۔ اسی طرح اس کا بڑھاپا بھی اس کے برعکس ہے جیسا اس نے چاہا تھا۔ اس منہ بند سیپی پہ تالہ لگا ہے جو زنگ خوردہ ہے اور اس پر تہہ در تہہ تالہ بُنا ہے جو کسی نے نہیں کھولا جو انتظار کی کیفیت میں ہے نہ ہی شاعرہ نے خود اس تالے کو کھولنے کی کوشش کی ہے۔ یہ لامتناہی انتظار اس کی تمام عمر کی ریاضت ہے۔ وہ دوبارہ سے اپنی مرضی کا بچپن جینا چاہتی ہے۔ کتابوں کے شوق میں وہ اپنی ماں سے دور ہوئی تھی اور اس بے زاری میں اس کے بیٹے اس سے دور ہوئے۔ اب وہ پچھتاووں کا سمندر لیے اس کے کنارے بیٹھی اپنے حصے کی قیدِ تنہائی کو جھیل رہی ہے۔ پاکستان میں کم عمر بچیوں کے ساتھ بڑھتے ہوئے جنسی تشدد کے واقعات مختلف شہروں میں رونما ہونے لگے۔ جبر اَز یادتی کا نشانہ بننے والی کم عمر بچیوں کو جنسی تشدد کے بعد بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ ان واقعات کو مصنفہ نے اپنی نظموں میں بیان کرکے مردوں کی گھناؤنی اور بیمار ذہنیت کو بے نقاب کرنے کی سعی کی۔ ان نظموں میں 'سوال ہی جواب ہے'، 'کاری قبرستان کی صدائیں'، 'زینب کا نوحہ'، 'زینب کے قصور کا نوحہ'، 'عاصمہ! تم جاوداں ہو'، 'اس عورت کے ساتھ کیا مسئلہ ہے'، 'محل میں وراثت'، 'کوکھ مزدور'، 'میری دودھ پلائی ماں'، 'بس یہی زندگی ہماری ہے' اور 'بر سبیل تذکرہ' شامل ہیں۔ نظم 'کوکھ مزدور' سے

اشعار ملاحظہ کیجیے:

اب سے کچھ سال پہلے تک
آرڈر پر مشینیں اور کپڑے بنتے تھے
حرام بچے تو دنیا بھر میں پیدا ہوتے
کبھی پھینک دیئے، کبھی مار دیے جاتے تھے
مگر آرڈر پر بچہ تخلیق کرنے کی رسم
کوئی بہت پرانی نہیں
یہ اس وقت ساری دنیا میں رائج ہے
ہم ان عورتوں کو بھی کوکھ مزدور کہتے ہیں۔
کرائے پر تخلیق کیے ہوئے حمل
بدنامی نہیں، نو مہینے کی مشقت کی
اجرت وصول کر کے
چند سالوں کے لیے اپنی غربت
چھپا لیتے ہیں...
پر نو مہینے تک، پھدکتے بچے کی گدگدی
اس کی زندگی کی سرخوشی بن جاتی ہے۔[۱۴]

سال ۲۰۲۰ء کورونا وبا کے ہم راہ دنیا کے متعدد ممالک میں خوف کی علامت بن کر طلوع ہوا۔ اسی برس کشور ناہید کا شعری مجموعہ دریا کی تشنگی سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور سے شائع ہوا۔ بظاہر یہ مختصر سا شعری مجموعہ ۳۵ نظموں پر مشتمل ہے اور ۱۲۰ صفحات کی ضخامت رکھتا ہے۔ کتاب کا انتساب ثمر من اللہ، فوزیہ سعید، طاہرہ عبداللہ اور فوزیہ من اللہ کے نام ہے۔ کشور کے شعری مجموعہ کے لیے Linde Waber نے پینٹنگ فراہم کی ہے۔ اردو شاعری میں کشور ناہید کا اختصاص یہی ہے کہ ان کی نظمیں اپنے سماج اور ماحول کی حقیقی تصویر قاری کے سامنے رکھتی ہیں۔ یہ کتاب بھی ملکی و غیر ملکی مسائل کا اختصاریہ قرار دی جا سکتی ہے۔ جس میں موضوعاتی سطح پر مصنفہ نے شدید جذباتی رویہ اختیار کیا ہے۔ وہ ہر ظلم اور ستم پر قلم اٹھانے میں پہل کرتی ہیں۔ ان کی نظموں کی پختہ کاری قاری کو پاکستان کی سیاسی تاریخ، خواتین بالخصوص بچیوں پر ہونے

ISSN:2708-5724, E-ISSN:2708-5732

والے جنسی تشدد کا احاطہ کرتی ہیں۔ عالمی امن بھی مصنفہ کے پسندیدہ موضوعات میں شامل ہے۔ کشور ناہید امن و آتشی کی خواہاں ہیں۔ وہ دنیا کے کسی بھی خطے میں ہونے والے مظالم کے حق میں نہیں ہے۔ اس کتاب میں شامل پہلی نظم 'خدا اترے سامنے عرض داشت' میں مصنفہ نے شدید احتجاجی رویہ اختیار کیا ہوا ہے۔ وہ آدم کے دنیا میں آنے کے بعد کی صورت حال کا تذکرہ کرتی ہیں جس میں آدم جنت سے بے دخل کیے جانے کے بعد سال ہا سال بھٹکنے کے بعد دوسرے آدم سے ملتا ہے اور نسلِ انسانی کو فروغ ملنے کے ساتھ آدم جب دوسرے آدم کا قتل کرتا ہے اسے مصنفہ طالبان سے تعبیر کرتی ہے۔ بنیادی طور پر نائن الیون کے بعد پاکستان میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی مصنفہ کے اذہان پر چھائی ہوئی ہے۔ یہ نظم اسی منفی سوچ کے خلاف مزاحمت پیش کرتی ہے جس میں انسانوں کو بے دردی سے قتل کر دیا جاتا ہے۔ مصنفہ تیسرے آدم کی پروردگار سے استدعا کرتی ہے، جو دنیا میں امن کا نمائندہ بن کر زیست کرے، وہ ہر قسم کے تشدد اور خون ریزی کے خلاف ہو۔ مصنفہ انڈیا اور پاکستان کی سرحدی حد بندیوں کے خلاف ہیں۔ وہ نظم و نثر دونوں میں اس کرب کا اظہار بار بار رقم کر چکی ہیں۔

دریا کی تشنگی میں مصنفہ کی نظمیں موضوعاتی سطح پر متنوع پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ زیادہ تر نظمیں خواتین کی حالتِ زار کی عکاسی کرتی ہیں۔ نہ صرف پاکستانی خواتین بلکہ دنیا بھر کی خواتین پر ہونے والے جبر کو بیان کرنے میں مصنفہ عالمی سطح پر خواتین کے حقوق کی نمائندہ کے طور پر پاکستان کی پہچان بنتی ہیں۔ ان نظموں میں 'سوچ کی دھارا'، 'وہ کون تھی'، 'کون ان کا مسیحا بنے گا'، 'کرفیو میں کشمیر'، 'نمرتا! میں تیری ماں'، 'وزیرستان کی بیٹیاں'، 'درختوں میں چھپی بیٹیاں'، 'میں عجب کش مکش میں ہوں' اور 'چھٹی کا دن' شامل ہیں جو خواتین کی حالتِ زار کی نمائندہ نظمیں قرار دی جا سکتی ہیں۔ نظم 'چھٹی کا دن' سے اشعار ملاحظہ کیجیے:

وہ بوڑھی عورتیں
جو قالین بُنتے ہوئے
دعائیں دیتی جاتی تھیں
ان کے لیے کوئی چھٹی کا دن

نہیں ہوتا تھا۔[۱۵]

بُری عورت کی دوسری کَتھا (۲۰۲۱) کشور ناہید کی یادداشتوں پر مبنی کتاب ہے جسے بُری عورت کی کَتھا کی توسیع قرار دیا جا سکتا ہے تاہم تخلیقی نثر کی اس کتاب میں مصنفہ نے گیارہ نظمیں درج کی ہیں جن میں 'ساری بیٹیوں اور نور مقدم کا نوحہ'، 'زندہ ہیں ماضی کی چھپی عورتیں'، 'نور اور اس کی روح کا بیانیہ'، 'مینارِ پاکستان تلے' اور 'مردار انقلاب' ایسی نظمیں ہیں جو خواتین کے مسائل کو موضوع بنا کر لکھی گئی ہیں۔ اس کتاب میں شامل نظم 'مینارِ پاکستان تلے' سے اشعار ملاحظہ کیجیے:

اے قائد! تجھے سناؤں
تیرے بنائے پاکستان کے مینار تلے
میں فوٹو کھینچ رہی تھی
عصر کی اذان ہو رہی تھی
عزاداری کی آواز بھی آ رہی تھی
کچھ لڑکے مجھے کام کرتے دیکھ رہے تھے
دیکھتے دیکھتے وہ سینکڑوں ہو گئے
ایک اکیلی لڑکی کے بدن کو
کپڑوں سے آزاد کرنے کے لیے
چار سو مردوں نے ہاتھ بنٹایا
کوئی بچانے آگے نہ آیا۔[۱۶]

کشور ناہید نے پختہ نظمیں لکھی ہیں جو ان کے کلیّات کے دو مجموعوں 'فتنہ سامانیٔ دل' اور 'دشتِ قیس میں لیلیٰ' میں موجود ہیں۔ یہ نظمیں اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہت دلچسپ ہیں۔ ان کی شاعری کے ہر پہلو میں اس کی ذات کا ایک نیا رنگ جھلکتا ہے۔ زمانے کے چاک پر گھومتی کشور ناہید کا مرکزی پھیلاؤ بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ کشور کے ہاں بنیادی فکری ڈھانچہ وہی ہے جس کی جھلک 'لبِ گویا' میں نظر آتی ہے۔ اب اس ڈھانچے پہ نیا رنگ و روغن اور نئی کھڑکیوں نے اپنا گھر کر لیا ہے۔ ان میں ایک کھڑکی نثری نظم کی جانب کھلتی ہے۔ عالمی ادیبوں سے ملاقات، عالمی ادب کے مطالعہ کا ذوق اور سب سے بڑھ کر فطری میلان کی یہ تثلیث

نثری نظم کو جنم دیتی ہے۔ کشور ناہید حسیات کی شاعرہ ہے۔ وہ اپنے حواس سے جو ادراک حاصل کرتی ہے وہ سفاک اور بے رحم حقیقت کے طور پر من و عن پیش کر دیتی ہے۔

کشور ناہید کے ہاں ایک سنجیدہ، باشعور اور زیرک خاتون ملتی ہے۔ یہاں الھڑ مٹیار کا تصور ناپید ہے۔ سوچنے، سمجھنے اور تجزیہ کرنے والی عورت کے تجربات و احساسات کی ترجمان شاعری اس سے خوب نہیں ہو سکتی۔ ہمارے معاشرے میں اس عورت کو مقبولیت عام حاصل ہو سکتی ہے جو اپنی دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لاتی ہو مگر اس عورت کو تسلیم نہیں کیا جاتا جو اپنے وجود کا ادراک اپنی ذہنی صلاحیتوں کے ذریعے کرواتی ہو۔ عورت اور ذہانت کا یہ امتزاج مشرقی روایت میں کبھی بار نہیں پایا۔ صنفِ نازک کو پاؤں کی جوتی خیال کرنے والا معاشرہ اسے احساسات کی جیتی جاگتی تصویر کے طور پر کیوں کر قبول کرے۔ عمومی طور پر ایسی صورتِ حال میں نقصان عورت کو ہی اٹھانا پڑتا ہے۔ اس کے سامنے صرف ایک ہی رستہ رکھا جاتا ہے کہ وہ چپ چاپ سب سہے جائے، اُف تک نہ کرے، دوسرا، تیسرا اور چوتھا رستہ صرف مرد اختیار کر سکتا ہے۔ ایسے میں اگر صنفِ نازک اپنی تشنگی کا علّم بلند کرتی ہے تو اس کو عِلم کے مضر اثرات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کشور کی ذاتی زندگی اسی جدو جہد میں گزری ہے وہ اپنے وجود سے زیادہ اپنی ذہنی صلاحیتوں سے اپنی ذات کا لوہا منوانا چاہتی ہے۔ مرد محبت کرتا ہے تو اس عورت سے جو خود کو اس سے کم تر محسوس کرے۔ لفظ گر خاتون سے تعلقات کے دیے روشن کرتا ہے، اس سے ملتا ہے، اس کے فن اور تعلقات سے استفادہ کرتا ہے، اس کی تعظیم کرتا ہے مگر اس سے محبت نہیں کرتا، اس کو سراہتا ہے مگر اس کا ہم زاد نہیں بن سکتا۔

کشور ناہید کی مزاحمتی شاعری جاگیر دارانہ مسلمات کے تسلط، غالب سماجی اداروں کی اجارہ داری، پدرانہ نظام پر قائم سماجی تصورات، جنسی تفریق کی بالا دستی، عالمی سیاسی تسلط یا فسطائیت کی تباہ کاریوں کے متعلق ہے۔ ذاتِ آشوب میں کشور نے عورت کی جو پیش کش کی ہے وہ در حقیقت وجود رکھتی ہے۔ مگر مردوں کی بنائی ہوئی نسوانی شبیہ سے میل نہیں کھاتی۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عورت کو اس کے اصل رنگوں، ازلی تنہائی، فطری گہرائی مضبوط نسوانیت سے مل کر بنی ہے۔ اس کے خدوخال سے بھی دل فریب اس کی تخلیقی اور فطری صلاحیتوں کی پیش کش کرتی ہیں تو یہ حقیقی اور اصل عورت بھی مزاحمتی کردار بن جاتی ہے۔ کیوں کہ ہمارے ہاں صدیوں سے قائم پدرانہ نظام میں عورت پن کا تصور اور اس کی پیش کش مردانہ

ذہنیت کرتی آئی ہے۔ جس کے نتیجے میں عورت ایک ڈری سہمی، جھجکتی ہوئی ناتواں، بے عقل، صرف جنسی عمل کے لیے مخصوص انگیجنت کا نام عورت ہے۔ وہ اپنے ہر رنگ میں خواہ ماں، بیٹی، بہن یا بیوی ہو ایک خدمت گزار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

بظاہر دورِ جدید کی عورت جو حقوقِ نسواں کی علم بردار کے طور پر جانی جاتی ہے۔ ایسی عورت کو معاشرے میں ایک ایسے کردار کی شہرت حاصل ہے جو مذہب سے کوسوں دور نفرت کی حد تک اس کے دائرہ سے آزاد ہے۔ ایسی عورت جو مولوی اور ملّا کو دین کے علم بردار نہیں مانتی اسے عمومی طور پر دین اور تاریخ سے بے بہرہ تصور کیا جاتا ہے اور عرفِ عام میں ''لادین'' قرار دیا جاتا ہے۔ ان سب باتوں سے قطع نظر کشور ناہید کا فکری ڈھانچہ اسلامی روایات سے بالکل متصادم نہیں ہے۔ بلاشبہ اس کا رہن سہن، میل ملاپ عالمی سطح پر میل ملاپ مختلف ادیبوں اور ثقافتوں سے متاثر ہے تاہم جہاں کہیں وہ ظلم ہوتا دیکھتی ہے تو اسے فرعون یاد آ جاتا ہے۔ جہاں کہیں تذلیلِ انسانیت دیکھتی ہے تو اسے اہرامِ مصر کے مزدور یاد آ جاتے ہیں۔ ضدی گھمنڈی قوم کے لیے کشور ناہید ابابیلوں کی منتظر ہے۔ اپنے وجود کے ویرانے کو آیت الکرسی سے بھرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ڈاکٹر فاطمہ حسن لکھتی ہیں:

> ''کشور ناہید کی نظموں میں وہ اظہار ہے جو اِن قبل قریباً مفقود تھا۔ وہ عورت ہونے کے ناتے نہ اپنے ہونے پر شرمندہ رہیں نہ جذبات کی پردہ پوشی کی۔ کائنات کو اپنی بصارت اور بصیرت سے دیکھتی رہیں، اس کا اظہار بھی کرتی رہیں۔ انھوں نے براہِ راست عورت کے جذبات اور مسائل کو موضوع بنایا اور پورے شعور وادراک کے ساتھ ان سماجی رویوں پر احتجاج کیا جن کا شکار خواتین ہیں۔'' [۱۷]

کشور ناہید نسائی ادب کے حوالے سے ایک بڑا جانا پہچانا نام ہے۔ اس کے زندگی اور فطرت کے سب سوتے عورت سے پھوٹتے ہیں مگر یہ کنواں خود ہمیشہ سے پیاسا ہے۔ زمانہ جاہلیت سے لے کر آج تک اپنے حقوق کے حصول سے لے کر اپنے آپ کو منوانے تک اسے مسلسل آگ پر چلنا پڑتا ہے۔ نسوانی وجود کی جنسی طلب، نسوانی لسانیات، محاوروں اور روزمرہ سے آگے نکل کر لکھی ہوئی ان نظموں میں عورت اپنے وجود اور اپنی فکر کو منوانے کے لیے پر عزم ہے۔ صدیوں کی ہزیمت اور تکلیف کے رنگ ان میں گھل کر

انھیں جلا بخش رہے ہیں۔ خواتین کے جنسی استحصال، ان کے معاشی اور معاشرتی تباہی کو صرف نوحہ تک ہی ناہید کی شاعری نے محدود نہیں کیا بلکہ ان کے اندر ایک عزم اور حوصلہ بھی پیدا کرتی ہیں۔ یہ عزم ان کی تکالیف کا بیان کرنے سے خواتین میں عزم و حوصلہ پیدا کرتی ہیں۔ وہ مردوں سے نفرت نہیں کرتی اور نہ ہی عورتوں کو ان سے نفرت پر اکساتی ہے۔ اسی لیے ناہید کی نظمیں نسائی احساس کے اظہار پر دلالت کرتی ہیں۔ دورِ جدید میں عورت کو پہلے سے بھی زیادہ مسابقت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اب ملوکیت کے پیمانے بدل چکے ہیں۔ آزادی اور روشن خیالی کے نام پر اسے ایک نئی طرز کی غلامی کا سامنا ہے۔ کہیں گوری رنگت اور متناسب جسم کے سانچے میں ڈھلنے کے جتن ہیں تو کہیں انھی خواہشات کی تکمیل میں مکر و فریبی کے جال بنے جاتے ہیں۔ شاعرہ کے نزدیک پوسٹر پر آویزاں نیم برہنہ عورت، عورت نہیں ہے وہ تو مرد کی تسکین کے لیے اس کی پسند کا ایک ڈھانچا ہے۔ بس غلام ذہن کی قوم کبھی ابھر نہیں سکتی کیوں کہ جس معاشرے میں قوم کو بنانے والیاں آج بھی غلامی کی زندگیاں بسر کر رہی ہوں تو ایسے معاشرے میں ترقی و خوش حالی ممکن نہیں ہے۔ روشن خیالی کے نام پر خواتین کی بیداری کی تحریک اور خواتین مارچ کے حوالے سے "میرا جسم میری مرضی" کے نعرے پلے کارڈز پر لکھ کر اسلام آباد میں نوجوان نسل نے احتجاج کیا۔ کشور ناہید نے یہ محسوس کیا کہ نئی نسل کا یہ بیانیہ تحریک نسواں کے لیے نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔ رقیہ عباسی اور کشور ناہید کی گفتگو اس حوالے سے ملاحظہ کیجیے:

> سوال: حالیہ مارچ میں پلے کارڈ کے ذریعے سوشل میڈیا پر خواتین کے جن مسائل کو اجاگر کیا گیا آپ کے خیال میں کیا ہماری عورت کے یہی حقیقی مسائل ہیں؟
>
> جواب: عورت مارچ میں شامل اکثر نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کو ہمارے معاشرے میں عورت کے اصل مصائب کے بارے آگاہی ہی نہیں تھی اور یہ لڑکیاں لڑکے اسلام سے بھی دُور ہیں۔ اگرچہ میں سوشل میڈیا سے دُور ہوں لیکن وہاں وائرل ہونے والے پلے کارڈ مجھے دِکھائے گئے تو ہم نے دوسرے روز اسلام آباد پریس کلب جا کر میڈیا اور وہاں موجود لوگوں کو بریفنگ دی تھی کہ جو پلے کارڈ سوشل میڈیا پر وائرل ہوئے ان سے ہماری جدوجہد کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم سماج اور مذہب سے بالکل کٹ کر نہیں رہ سکتے۔ یہ جو سلوگن پیش کیے گئے یہ ان نوجوان لڑکے لڑکیوں نے خود ترتیب دیے اور

عورت مارچ کے منتظمین کا ان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔[۱۸]

مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کشور ناہید نے ادبی سفر کے آغاز میں عشقیہ جذبات اور داخلی زندگی کی واردات بیان کی تاہم عورت ہونے کے ناتے اس نے عورت کو درپیش مسائل کو سمجھنے کی کوشش کی اور ان مسائل کے اظہار کے لیے قلم اٹھایا۔ مصنفہ کی شاعری کا کثیر حصہ خواتین کی حالتِ زار کی عکاسی کرتا ہے۔ اردو دنیا میں ایسی کوئی مثال موجود نہیں جس میں کسی خاتون شاعرہ نے خواتین کے مسائل پر اس طرح توجہ دی ہو اور اپنی تمام تر توانائیاں صرف کی ہوں۔ یقیناً یہ اختصاص کشور ناہید کے حصے میں آتا ہے۔ نسائی ادب کے حوالے سے کشور ناہید کا نام ہمیشہ پاکستان کے سُرخیل تخلیق کاروں میں شمار کیا جائے گا۔

حوالہ جات

1. نعیم مرزا، تاریخ کی عظیم فیمینسٹ عورتیں (حیات ، نظریے اور تحریکیں) (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۲ء)، ۱۴۔
2. کشور ناہید، "تعارف" مشمولہ تاریخ کی عظیم فیمینسٹ عورتیں (حیات ، نظریے اور تحریکیں)، ۱۸۔
3. انیس ہارون، "فیمنزم اور پاکستانی عورت" مشمولہ آدھی عورت پورا ادب (تاریخ-مسائل-اطلاقی جہات-امکانات)، مرتبین: ڈاکٹر عقیلہ جاوید، ڈاکٹر حماد رسول، شازیہ یاسمین، شکیل حسین سیّد (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۷ء)، ۸۸-۸۹۔
4. کشور ناہید، فتنہ سامانئ دل (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء)، ۴۹۸۔
5. کشور ناہید، دشتِ قیس میں لیلیٰ (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء)، ۵۷۷۔
6. ایضاً، ۷۰۱-۷۰۲۔
7. کشور ناہید، سیاہ حاشیے میں گلابی رنگ (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء)، ۱۲۸۔
8. کشور ناہید، خیالی شخص سے مقابلہ (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء)، ۴۳۔
9. کشور ناہید، میں پہلے جنم میں رات تھی (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵)، ۲۱، ۲۲۔
10. کشور ناہید، فتنہ سامانئ دل، ۲۷-۲۸۔
11. کشور ناہید، وحشت اور بارود میں لپٹی شاعری (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ۷۷-۷۸۔
12. کشور ناہید، آباد خرابہ (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ۴۹۔

13. ایضاً، ۵۹۔
14. کشور ناہید، شیریں سخنی سے پَرے (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء)، ۹۶۔
15. کشور ناہید، دریا کی تشنگی (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء)، ۹۱۔
16. کشور ناہید، بُری عورت کی دوسری کتھا (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء)، ۲۲۷۔
17. ڈاکٹر فاطمہ حسن، اردو شاعرات اور نسائی شعور (نئی دہلی: انجمن ترقیٔ اردو ہند، ۲۰۲۲ء)، ۴۸۔
18. رقیہ عباسی، ''ہم گناہ گار عورتیں (انٹرویو محترمہ کشور ناہید)'' مشمولہ: تانیثیت کا نیا دور، نیا اسلوب، نئی عورت، مرتبین: بشریٰ اقبال ملک، ڈاکٹر حمیرا اشفاق (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء)، ۹۱-۹۲۔